۱۲

انسانی قبض اور بسط کی حالت

(فرمودہ ۳۰- مارچ ۱۹۳۴ء)

تشہد، تعوّذ اور سورة فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

انسانی فطرت کچھ ایسے رنگ میں وضع کی گئی ہے کہ وہ یکساں حالت پر نہیں رہتی، اس میں لہریں پیدا ہوتی ہیں، کبھی بسط کی حالت آتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اُڑنے والا پرندہ ہے جسے اپنی زندگی میں سوائے اُڑنے کے اور کوئی چیز پسند ہی نہیں، کبھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ پانی میں بھیگا ہوا کپڑا یا بوجھل لوہا ہے جو بغیر کسی مقابلہ کی کوشش کے اور بغیر کسی جدوجہد کے طبعی طور پر نیچے ہی نیچے چلا جارہا ہے- یہی حالت ہے جسے قرآن کریم نے قبض اور بسط کی حالت بتایا ہے- اور رسول کریم ﷺ نے بھی اس کو انسانی حالت کے قیام اور روحانی ترقیات کیلئے ضروری چیز قرار دیا ہے[۱]- ایک زمانہ ایسا تھا جبکہ قرآن نے ان معارف کو بیان نہیں فرمایا تھا اور دنیا کے لوگ خیال کرتے تھے کہ ہر انسان اپنی حالت کے مطابق اپنے درجہ پر قائم رہتا ہے اور کبھی لوگ یہ سننا یا سمجھنا یا اقرار کرنا گوارا نہ کرتے تھے کہ انسانی حالت میں مختلف اوقات میں کبھی فوقانی اور کبھی تحتانی تغیر ہوتا رہتا ہے لیکن قرآن کریم نے آکر اس حقیقت کو ظاہر کیا اور اس کے ظہور سے دو عظیم الشان فائدے حاصل ہوئے- ایک بہت بڑا فائدہ تو یہ ہوا کہ قبض کی حالت میں انسان پر جو مایوسی آتی ہے، اس سے قرآن کریم نے بچالیا-

دنیا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں انسان ایسے ہوں گے یا کم سے کم ہوسکتے ہیں جن کے

متعلق عقلاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان پر قبض کی حالت آئے تو ان کو معلوم ہی نہ ہو کہ یہ کیا بات ہے اور اس حالت کے کیا اغراض و مقاصد اور فوائد ہیں۔ وہ ڈر جانے کے خیال سے مایوسی کا شکار ہوجائیں اور اعمال کی کشمکش سے کنارہ کش ہوجائیں۔ لیکن جب قرآن کریم نے ہم کو یہ بتادیا کہ ہر بسط کے ساتھ قبض ہوتی ہے اور انسانی اعمال اپنے اندر وائبریشن(VIBRATION) رکھتے ہیں' ان کے اندر لہریں پیدا ہوتی ہیں اور لہر کے معنی اونچے نیچے ہونے کے ہیں تو یہ جانتے ہوئے ہم مایوسی کا شکار نہیں ہوسکتے۔ آج اس زمانہ میں دنیا نے اس صداقت کو تسلیم کرلیا ہے کہ انسانی اعمال میں لہریں ہوتی ہیں بلکہ دنیا میں ہر چیز کے اندر یہ اصل موجود ہے۔ انسان کی بصارت اور شنوائی میں بھی لہریں ہوتی ہیں۔ جس طرح آواز سے پیدا شُدہ لہریں ہوا میں تیرتی ہیں' جس طرح نظر کی لہریں ہوا میں تیرتی ہیں' اسی طرح انسانی روح بھی خدا کی طرف لہروں میں پرواز کرتی ہے۔ مگر بوجہ اس کے کہ پرواز اوپر کی طرف ہوتی ہے' ہر قبض پہلی سے کم اور ہر بسط پہلی سے زیادہ آتی ہے۔ اس کی طرف قرآن کریم میں اشارہ کیا گیا ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے' وہاں اسے بلندی کی طرف منسوب کیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو کسی خاص مقام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ نہیں کہ وہ ہمارے سروں کی طرف ہے' ہمارے پاؤں کی طرف اس کی حکومت نہیں۔ اگر ایسا ہو تو جس طرف ہمارے سر ہیں' اسی طرف اور لوگوں کے پاؤں ہوں گے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ زمین گول ہے تو یہ بھی صحیح ہے کہ جدھر ایک طرف کے رہنے والوں کے سر ہیں' دوسری طرف رہنے والوں کے اسی طرف پاؤں ہوں گے۔ پس اگر اوپر کے معنی سروں کی طرف کے لئے جائیں تو کیا یہ نہ کہا جاسکے گا کہ وہ امریکہ والوں کے پاؤں کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بلندی کی طرف بتانے کے یہی معنی ہیں کہ جو انسان خدا کی طرف پرواز کرتا ہے' وہ بلند ہوتا جاتا ہے۔ اس کی ہر قبض پہلی سے کم اور ہر بسط پہلی سے زیادہ ہوتی ہے۔ ایک انسان اگر زمین سے ایک گز اوپر ہو اور پھر دو گز اوپر ہوجائے تو ماننا پڑے گا کہ گو وہ بلندی کی چوٹی تک نہیں پہنچا' تاہم اس کی حالت پہلے سے ضرور بلند ہے۔ پس قبض اور بسط کے بتانے سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ اس سے انسان اپنے نفس کا محاسبہ کرسکتا ہے۔ وہ قبض کی حالت سے گھبراتا نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ حالت تو آتی ہی ہے۔ جو لوگ تیرنا جانتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ ہر ہاتھ مارنے سے پہلے جسم کسی قدر اونچا ہوتا ہے مگر ایک ہاتھ مارنے کے بعد دوسرا ہاتھ مارنے تک پھر ذرا نیچے چلا جاتا

ہے۔ بعینہٖ یہی حالت روحانی ترقی کی ہے۔ ہر انسان کو کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ پہلی قبض سے دوسری کم اور پہلی بسط سے دوسری زیادہ ہو۔ پس ایک تو اس چیز نے انسان کو مایوسی سے بچالیا اور دوسرے روحانی ترقی کو لہر کی مانند قرار دے کر بتادیا کہ کوئی ایک ضرب ایسی نہیں جو اوپر لے جائے بلکہ ہر ضرب کے بعد دوسری کی ضرورت باقی رہتی ہے اور جو ایک ہی کو کافی سمجھ لے وہ ناکام رہتا ہے۔

پس یہ روحانی ترقی کا ایک عظیم الشان گُر بیان کیا گیا ہے جو بتاتا ہے کہ کسی ایک فعل سے خدا نہیں مل سکتا بلکہ مسلسل کاموں سے ملتا ہے۔ ہر ایک فعل ایک حد تک خدا کے قریب کرے گا۔ مگر پھر اس کی روحانیت کو غذا کی ویسی ہی ضرورت رہے گی جیسے صبح کا کھانا کھانے کے بعد شام کو کھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ صبح کی نیکی شام کے کام نہیں آسکتی جس طرح صبح کا کھانا شام کے وقت بھوک سے نہیں بچا سکتا بلکہ جس طرح جسمانی غذا میں تسلسل ہے اسی طرح روحانی حالت میں بھی یہ جاری رہنا چاہیئے۔ جس وقت یہ بند ہو وہی وقت انسان کی تباہی کا ہوتا ہے۔ ایک انسان خواہ دس میل تک تیرتا چلا جائے لیکن جب بھی وہ ایک ہاتھ کے بعد دوسرا مارنے کی ضرورت نہ سمجھے گا' غرق ہوجائے گا۔ زیادہ فاصلہ طے کرلینا اس بات کا ضامن نہیں ہوسکتا کہ اب ڈوبنا ممکن نہیں۔ اگر کوئی شخص جوّ میں اُڑ رہا ہو تو وہ ایک میل سے بھی گر سکتا ہے اور دس میل سے بھی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ دس میل اوپر جانے کے بعد اس کیلئے گرنے کا امکان نہ رہے۔ امکان تو ایک میل پر بھی ہے اور دس میل پر بھی۔البتہ نتائج کے لحاظ سے دس میل سے گرنا ایک میل سے گرنے کی نسبت زیادہ خطرناک ہوگا۔ پس یہ دو فوائد ہیں جو اس مسئلہ سے معلوم ہوئے۔ اور اب دنیا عام طور پر اسی طرف مائل ہو رہی ہے کہ ہر چیز لہریں رکھتی ہے جو تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ نشیب وفراز کو ہی لہر کہا جاتا ہے اور یہ ہر بات میں پایا جاتا ہے۔ اس طرح گویا دنیا نے آج اس چیز کو تسلیم کرلیا جو ہمیں قرآن کریم نے آج سے قریباً چودہ سَو سال قبل بتادی تھی۔ ہماری جماعت میں جو کام ہو رہے ہیں' ان کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم ان قوانین کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرسکتے۔ بڑے کاموں میں غلطیاں ہمیشہ خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں۔ اگر کوئی ہوائی جہاز سَو گز اُوپر اُڑ رہا ہو تو ممکن ہے چھتری کے ساتھ نیچے کُود کر ایک اناڑی آدمی بھی اپنی جان بچاسکے لیکن ایک یا دو میل کی بلندی سے گرنے والے کیلئے چھتری کے ذریعہ بچ سکنا

ممکن نہیں۔ چھوٹے کاموں میں بھی بے شک ہوشیاری اور بیداری کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی بڑے کاموں میں، اور ہمارا کام اتنا عظیم الشان ہے کہ انسان اسے اپنی طاقت سے کر ہی نہیں سکتا۔ اگر ظاہری فتوحات ہمارے ذمہ لگادی جاتیں تو بندوق سے، تلوار سوٹے سے یا اگر کوئی چیز بھی ہمارے پاس نہ ہوتی تو ہاتھوں سے یا دانتوں سے کاٹ کر ہی دشمن کو یا تو مغلوب کرلیتے اور یا خود مرجاتے۔ اس میں بہرحال ہمارے لئے کچھ کرنے کی گنجائش تھی مگر ہمارے سپرد جو کام کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ہم نے دلوں کے قلعے فتح کرنے ہیں اور یہ وہ قلعے ہیں کہ کسی کو پتہ بھی نہیں لگ سکتا کہ ان کا دروازہ کہاں ہے۔ دل کے دروازہ کا پتہ لگانا بہت مشکل ہے اور اس کا اندازہ بھی نہیں ہوسکتا۔ کوئی آدمی ایسا ہوتا ہے کہ اس پر خوف سے اثر ہوتا ہے اور کسی پر طمع سے، جس کا نام قرآن کریم نے امید رکھا ہے۔ یہ امید بھی کئی قسم کی ہوتی ہے۔ اگلے جہان کی امیدیں، پھر اِس جہان کے متعلق مالی، علمی، خاندانی وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان کی آگے ہزار ہا قسمیں ہیں اور کچھ معلوم نہیں کون سی کھڑکی ہے جس سے اثر ہو۔ غرضیکہ یہ اتنا وسیع اور مشکل کام ہے جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے کہ انسانی طاقت اسے بخوبی کرنے کی اہل نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے وعدے نہ ہوتے کہ اس کام کو ہم خود کریں گے تو ہم سمجھتے ہمارے ساتھ مذاق کیا گیا ہے اور اس صورت میں ہماری مثال الف لیلہ کے قصہ کی سی ہوتی۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک امیر آدمی کے محل کی دیوار پر اس کے نام کا بورڈ لٹک رہا تھا۔ ایک اور شخص جو اس کا ہم نام تھا۔ پاس سے گزرا تو بورڈ دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ شخص بھی میرا ہم نام ہے مگر کیا آرام کی زندگی بسر کر رہا ہے اور میں کیسی تکلیف میں ہوں۔ اس امیر آدمی نے بھی یہ بات سن لی اور اسے محل میں بلا لیا، بٹھایا، نوکروں سے کہا کہ دسترخوان بچھاؤ۔ وہ آتے اور یونہی ہاتھ پھیر کر چلے جاتے اور وہ امیر اس سے کہتے کہ دیکھو کیسا اچھا دسترخوان ہے۔ پھر حکم دیا کہ آفتابہ لاؤ اور ہاتھ دُھلاؤ۔ وہ پانی بھی ڈالتے مگر اس کے ہاتھوں پر کچھ نہ پڑتا۔ اسی طرح انواع و اقسام کے کھانے منگوائے گئے مگر وہ بھی محض مذاق تھا۔ وہ غریب آدمی بھی بامذاق تھا وہ بھی ساتھ ساتھ تعریف کرتا جاتا۔ تو یہی حالت ہماری ہوتی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ یقین نہ دلایا جاتا کہ کام تم نے نہیں بلکہ ہم نے کرنا ہے۔ یہی وعدہ ہماری ڈھارس بندھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سال جلسہ سالانہ کے موقع پر میں نے احباب کو توجہ دلائی تھی کہ انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات ضرور پڑھنے چاہئیں کیونکہ ان کے مطالعہ

سے ایمان تازہ ہوتا اور ہمت بندھتی ہے وگرنہ ممکن ہے بعض لوگ تھوڑی دیر کے بعد ہمت ہار دیں باوجود اس کے کہ خدا نے اس کام کا کرنا اپنے ذمہ لیا ہے مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا کی ذمہ داریاں مشروط ہوتی ہیں- وہ کچھ بندہ سے بھی چاہتا ہے اور جتنا کوئی کام اہم ہو' اتنی ہی بندہ پر ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے- اسی غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے مجلس شوریٰ قائم کی تھی تا اس کام کیلئے جماعت کی تربیت ہوسکے اور وہ اپنی ذمہ داریوں پر غور کرسکے- مگر یہ کام صرف افراد کے غور کرنے سے ہی نہیں چل سکتا بلکہ اس کیلئے اعمال کی ضرورت ہوتی ہے- مشاورت تو اللہ تعالیٰ نے بعض مفاسد کو روکنے کیلئے رکھی ہے وگرنہ اللہ تعالیٰ جنہیں اس کام کیلئے کھڑا کرتا ہے' وہ کسی کے مشورہ کے اتنے محتاج نہیں ہوتے جتنے لوگ ان کے مشوروں کے محتاج ہوتے ہیں- اس سے مقصد تو صرف یہ ہوتا ہے کہ ان سے مشورہ لے کر ان کے اندر بشاشت پیدا کی جائے وگرنہ جو بات کرنی ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ انہیں پہلے سے ہی سمجھا دیتا ہے- پھر ان کے خلفاء کا بھی یہ حال ہوتا ہے- وہ مشورہ کے اتنے محتاج نہیں ہوتے مگر تربیت کیلئے اور جماعت کو صحیح طریق پر چلانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ ایک رستہ قرار دیا ہے- لیکن مشورہ خواہ کتنا اعلیٰ ہو اور اس کا نتیجہ خواہ کتنا ہی صحیح کیوں نہ ہو جب تک ہمارے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا نہ ہو' کچھ نہیں ہوسکتا- ہمارے اعمال میں لہریں پیدا ہونی ضروری ہیں اور لہروں کے پیدا ہونے کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ نہ سیدھی نیچے جائیں اور نہ سیدھی اوپر' حقیقی لہر ہمیشہ اسی صورت میں پیدا ہوگی جب متوازی چلے گی وگرنہ ناقص رہے گی- اگر پتھر کی طرح نیچے جائیں تب بھی فائدہ نہیں اور اگر سیدھے اوپر' تو اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں- لہروں کے چلنے کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ متوازی چلیں- بچپن میں بچے ایک کھیل کھیلتے ہیں کہ پانی کے کنارے کھڑے ہوکر اور جھک کر ٹھیکری سطح کے ساتھ ساتھ پھینکتے ہیں جو کبھی پانی کے اندر سے کبھی اوپر سے کُودتی ہوئی چلی جاتی ہے- اسی حالت میں لہریں پیدا ہوسکتی ہیں اور یہی ترقیات کی ضامن ہوسکتی ہیں- وگرنہ اگر کوئی نیچے کی طرف جاتا ہے تو وہ کافر ہے اور اوپر تو صرف نبی ہی جاسکتے ہیں- درمیان میں وہی لہر والی حالت ہوتی ہے اور وہی مومن کی حالت ہے- جب تک یہ لہر پیدا نہ ہو اور جب تک ایک ایسا محدود تنزّل نہ ہو جس کے بعد لازماً ایک نئی طاقت پیدا ہو اُس وقت تک کامیابی نہیں ہوسکتی- پس دوستوں کو چاہیئے کہ اس بات کو ہمیشہ مدنظر رکھیں- اس موقع پر بعض مہمان بھی گفتگو سننے کیلئے آجاتے ہیں-

مشاورت میں چونکہ نمائندے مخاطب ہوں گے اس لئے دوسروں کے واسطے میں نے یہ خطبہ وقف کردیا ہے تا سب کو فائدہ ہوجائے ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنے اندر لہر کی کیفیت پیدا کرے' وگرنہ کام ادھورا ہوگا۔ ہوگا تو ضرور کیونکہ یہ خدا کا کام ہے اور اُسی نے اِسے کرنے کا وعدہ کیا ہے مگر ہمارے لئے ضروری ہے کہ اپنے اعمال میں استقلال اور حرکات میں لہریں پیدا کریں اور تنزّلی کو ترقی کا موجب قرار دیں۔ حضرت معاویہؓ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ کی صبح کی نماز رہ گئی اس پر آپ سارا دن روتے رہے۔ اگلی صبح خواب میں کوئی انہیں جگا رہا تھا کہ اُٹھو نماز کا وقت ہے۔ انہوں نے پوچھا تُو کون ہے؟ اس نے جواب دیا شیطان ہوں۔ آپ نے کہا کہ شیطان اور نماز کیلئے جگائے' اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کَل تمہاری نماز رہ گئی تو تم اس قدر روئے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ایک نماز کے رہ جانے کا میرے اس بندے کو اتنا صدمہ ہوا ہے' اسے سَو باجماعت نمازوں کا ثواب دے دیا جائے۔ آج میں اس لئے جگا رہا ہوں کہ ایک ہی نماز کا ثواب ملے ایسا نہ ہو کہ کَل کی طرح سَو کا ثواب حاصل کرلو یہ ایک کشفی نظارہ ہے جو ایک اعلیٰ روحانیت والے کو نظر آیا۔ یہی حالت ہو تو ترقی حاصل ہوتی ہے۔ ان کی نماز کا رہ جانا قبض کی حالت تھی مگر آپ نے اسے یونہی نہیں چھوڑ دیا اور یہ خیال نہیں کرلیا کہ خدا نے اس غفلت کو معاف کیا ہے اور یہ میری طاقت سے باہر تھی کیونکہ سوتے ہوئے آدمی کا کیا اختیار ہوتا ہے۔ بلکہ آپؓ نے ایسی توبہ کی کہ آپ کا قدم پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے کی طرف بڑھ گیا۔ تو حالتِ قبض کو بھی ترقیات کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے اور جب تک یہ حالت پیدا نہ ہو کوئی جماعت ترقی نہیں کرسکتی۔ کمزوریاں ہونا کوئی خطرہ کی بات نہیں۔ خطرہ اس بات کا ہونا چاہیئے کہ وہ کمزوریاں ہمیں نیچے نہ لے جائیں۔ اگر کامل ندامت پیدا ہو جو اللہ تعالیٰ کی محبت کو کھینچے تو ایسی کمزوری بھی رحمت ہوجاتی ہے۔ پس اس حالت کو اپنے اندر پیدا کرو اسی سے کامیابی ہوسکتی ہے وگرنہ چند لوگوں کا مل کر مشورہ کرلینا چنداں نفع نہیں دے سکتا۔

خطبہ ثانیہ میں فرمایا:-

دوسرا خطبہ بھی خطبہ ہی ہوتا ہے بلکہ یہ زیادہ اہم خطبہ ہوتا ہے کیونکہ اس کا اکثر حصہ انہیں الفاظ میں پڑھا جاتا ہے جو رسول کریم ﷺ سے مروی ہیں اور جو بہت زیادہ بابرکت ہیں۔ حضرت خلیفہ اول تو ایسے مسائل اکثر بیان فرماتے رہتے تھے میں بھی بتاتا رہتا ہوں مگر

بعض لوگ بھول جاتے ہیں۔ بعض نئے آتے ہیں اس لئے پھر بیان کرنے پڑتے ہیں۔ اس خطبہ کے دوران میں ہرگز اٹھنا نہیں چاہیئے۔ امام کے مصلّی تک پہنچنے میں جو وقت لگتا ہے وہ کھڑے ہونے اور صفیں وغیرہ درست کرنے کیلئے کافی ہوتا ہے۔

(الفضل ۸۔اپریل ۱۹۳۴ء)

۱؎ مسلم کتاب التوبة باب فضل دوام الذكر والفكر فی امور الأخرة والمراقبة وجواز ترك ذالك فی بعضِ الاوقات والاشتغال بالدنیا